چند نوادر

اکبر علی خان

نوادرات کا جو سلسلہ ہم نے اقبال ریویو میں شووع کر رکھا ہے اس کی ایک اور قسط حاضر ہے۔ اس مضمون میں وہ چیزیں پیش کی جا رہی ہیں جو علامہ اقبال کے متعلق مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہوئی ہیں اور آج تاریخی اہمیت رکھتی ہیں۔

۱—رئیس الاحرار مولانا حسرت موہانی مرحوم کی یہ تحریر ان کے رسالے ''اردوئی معلیٰ''، علیگڑھ کی اشاعت نومبر ۱۹۰۴ء سے لی گئی ہے۔ علامہ اقبال کا ترانۂ ہندی سر عبدالقادر کے رسالے 'مخزن' اکتوبر ۱۹۰۴ء میں شائع ہوا تھا۔ یہ تنقید اسی سے متعلق ہے :

''مخزن'' پر تنقید :

> اکتوبر کا پرچہ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض درشت زبان اور ناواقف لوگوں نے قطع نظر کرکے جو نکتہ چینی کا جواب سب و شتم سے دینا چاہتے ہیں اہل پنجاب میں جو لوگ منصف مزاج اور صحت زبان کے خواستگار ہیں وہ اپنی غلطیوں کو چھوڑتے جاتے ہیں اور نکتہ چینوں کی نکتہ چینیوں سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مثلاً پروفیسر اقبال صاحب نے ایک غزل کے مقطع میں لکھا تھا :

اقبال کوئی اپنا محرم نہیں جہاں میں معلوم ہے ہمیں کو درد نہاں ہمارا

دلگداز نے اعتراض کیا کہ اس شعر کے آخر میں 'ہمارا' کے بجائے ''اپنا'' چاہئے۔ اور اقبال نے اب اس کو بدل کر 'مخزن' میں اسطرح چھپوادیا :

اقبال کوئی اپنا محرم نہیں جہاں میں معلوم کیا کسی کو درد نہاں ہمارا

حضرت اقبال کی نظمیں روز بروز زبان کے لحاظ سے صاف ہوتی جاتی ہیں کاش کہ جیسی توجہ اور احتیاط وہ نظم میں کرتے ہیں ویسی ہی نثر میں

بھی کرتے ۔ کیونکہ ہم افسوس کے ساتھ دیکھتے ہیں کہ اس پرچے میں ان کے لکچر موسوم بہ ''قومی زندگی،، میں بہت سے اغلاط موجود ہیں ۔

(۱) ''ان کی زندگی کا دار و مدار اس کاٹھ کی تلوار پر ہے جو قلم کے نام سے موسوم کی جاتی ہے،، ۔ قلم کو کاٹھ کی تلوار کہنا مناسب نہیں ہے ۔ البتہ اس فقرے کے آخری حصہ میں اہل پنجاب کے قاعدے کے مطابق ''جس کو قلم کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے،، نہیں لکھا ۔ این ہم غنیمت است۔

(۲) شرائط ''تبدیل ہوتی گئیں،، ۔ یہاں ''ہوتے گئے،، چاہئے ۔

(۳) لیکن موجودہ انسان ابتدا سے ہی ....الخ....یہاں ''ابتدا ہی سے،، چاہئے ۔

(۴) ''کو،، کی بہت سی غلطیاں ہیں ۔ مثلاً ''جس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا،، ۔ یہاں ''جس کو ہم نظر انداز نہیں کر سکتے،، چاہئے ۔

(۵) پردا کو پرداہ لکھا ہے ۔ وغیرہ ۔

۲۔علامہ اقبال کے حالات و تذکرہ پر مشتمل یہ عبارت 'تذکرہ ہزار داستان معروف بہ خم خانہ' جاوید، جلد اول مولفہ لالہ سری رام ۔ ایم ۔ اے ۔ مصنف دھلوی خاف الصدق رائے بہادر لالہ مدن گوپال سے منقول ہے یہ تذکرہ مخزن پریس دھلی سے ۱۹۰۸ء میں شائع ہوا اور مندرجہ تحریر مع انتخاب اشعار اس کے صفحات ۳۶۹ تا ۳۷۴ پر محیط ہے ۔

اس تحریر کی اہمیت اس لئے اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ یہ شاید وہ سب سے پہلی تحریر ہے جو علامہ اقبال کے تذکرہ کے طور پر اب تک ہمارے سامنے آئی ہے ۔

علامہ اقبال ۲۷ جولائی ۱۹۰۸ء کو اپنے سفر یورپ سے واپس آئے، صاحب تذکرہ کے بیان کے مطابق یہ تحریر علامہ کے دوران سفر لکھی گئی ہے چونکہ کاتب کتاب نے تاریخ کتابت ۲۸ مارچ ۱۹۰۸ء درج کی ہے اسلئے س کو مذکورہ تاریخ سے پہلے کا قرار دینا چاہیئے ۔

انتخاب اشعار میں سے صرف دو مختلف غزلوں کے تین شعر درج کئے جاتے ہیں اس لئے کہ یہی وہ باقی ماندہ اشعار ہیں جو اب تک غیر معروف ہیں اور علامہ اقبال کے کسی مجموعہ' کلام میں (چاہے وہ معروف کلام پر مشتمل ہو یا غیر معروف پر) شامل نہیں ہوئے ہیں :

''شیخ محمد اقبال - ایم - اے سابق پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور - آپ کی ولادت ۱۸ء میں ہوئی - وطن مالوفہ سالکوٹ ہے - لاہور کالج میں تعلیم پا کر ایم - اے کی ڈگری حاصل کی - ابتدائے سن تمیز سے آپ کی طبیعت شاعری کی طرف مائل تھی - فن سخن کا نہایت شستہ و صحیح مذاق سخن آفرین نے آپ کی طبیعت میں ودیعت کیا ہے - یہ خداداد صفت آجکل کے شعرا میں کم پائی جاتی ہے - لاہور کے ایک مشاعرے میں جو آپ نے پہلے پہل غزل پڑھی اس کا ایک شعر سن کر مرزا ارشد گورگانی کو جو اتفاق سے شریک بزم مشاعرہ تھے نہایت حیرت ہوئی اور بے اختیار ان کی زبان سے نکل گیا کہ ''ہیں اقبال ایسی عمر میں اور ایسا شعر،، ! وہ شعر یہ ہے -

موتی سمجھ کے شان کریمی نے چن لئے قطرے جو تھے مرے عرق انفعال کے

یہ پہلا موقع تھا کہ لاہور کے باذاق لوگوں کو اس نوجوان اور ہونہار شاعر سے شناسائی ہوئی ورنہ ایام طالب علمی میں ان کی طباعی اور ذکاوت کا شہرہ صرف ان کے ہم جماعت طلباء اور دوستوں تک محدود تھا - ۱۸۹۹ء میں دوستوں کے اصرار سے انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسے میں آپ نے نالہ' یتیم کے عنوان سے ایک قابل قدر نظم نہایت میٹھے سروں میں پڑھی - یہ نظم دلگداز اور مؤثر ہونے کیوجہ سے کچھ ایسی مقبول خاص و عام ہوئی کہ بار بار پڑھنے کی فرمائش ہوئی - اور یتیم خانہ کیلئے چندہ کی بارش ہونے لگی - اس نظم نے اس شہرت کی بنیاد رکھ دی جو اطراف ہند میں پھیلی ہوئی ہے - آپ کی حالت انگریزی دانی اور علوم مغربی کی تحصیل کا شوق زبان اردو کی طرف متوجہ ہونے سد راہ نہیں ہوا - اور کیوں ہوتا جس حالت میں آپ فارسی اور عربی میں بھی قابل تعریف قابلیت رکھتے ہیں - اور ام الالسنہ سنسکرت سے بھی نا آشنا نہیں - ابتداء میں آپ نے چند غزلیں مرزا ارشد گورگانی کو دکھائیں اور پھر بلبل ہندوستان نواب فصیح الملک مرزا داغ سے بذریعہ خط و کتاب تلمذ اختیار کیا - اس دن سے آج تک آپ کا کلام روز افزوں ترقی کر رہا ہے -

جب سے نئے رنگ میں لکھنا شروع کیا اصلاح لینے کی پابندی جاتی رہی۔ کہتے کہتے خود اچھا کہنے لگے۔ اور اپنی طرز خاص میں قابل امتیاز قابلیت حاصل کرلی۔ چونکہ غور و فکر کرنے والی خداداد لیاقت پائی ہے وہ خود ہی مصلح ہو جاتی ہے۔ نواب فصیح الملک ان کی قدر کرتے اور بافوق العادت لیاقت ذہانت بلیغ اور ہر طبیعت کی داد دیا کرتے تھے۔ اگرچہ شیخ صاحب کا کلام ابھی خاص خاص باتوں میں کہن مشق اساتذہ کے درجہ پر نہیں پہنچا ہے مگر جو خاص بات اس میں ہے وہ شعرائے نامور استادوں کے اور لوگوں کو کم نصیب ہوتی ہے۔ آپکے کلام میں بھرتی کے شعر کم پائے جاتے ہیں۔ کوئی شعر درد، وحدت اور اخلاق کی چاشنی سے خالی نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ دور دور سے داد آتی ہے۔ چنانچہ مولانا شبلی فرماتے ہیں کہ جب آزاد اور حالی کی کرسیاں خالی ہونگی تو لوگ آپ کو ڈھونڈیں گے۔ آپ کو تحقیق و تنقید میں ملکہ حاصل ہے۔ اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ تعلیم ختم کرنے کے بعد بھی تعلیمی مشاغل سے روز افزوں دلبستگی ہے۔ چنانچہ فی الحال تکمیل علوم اقتصاد و قانون کیلئے ولایت میں مقیم ہیں۔ آپکو تلمذ اگرچہ حضرت داغ سے رہا ہے مگر شکل پسند طبیعت کے اقتضا سے اکثر مرزا غالب کی پیروی کرتے ہیں۔ اکثر انکے کلام کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں۔ آپکے کلام میں ایک لحمی ضرور ہے کہ کہیں کہیں خلاف محاورہ و روز مرہ اہل زبان الفاظ نظم کر جاتے ہیں۔ امید کہ کثرت مشق سے یہ نقص بھی جاتا رہیگا۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ مذاق سلیم کے ساتھ ساتھ آپ کی سرشت میں انصاف پسندی بھی ایسی ہے کہ آپ اپنے دیگر ہمعصروں کے برعکس واجبی نکتہ چینی سے کبھی کبھی کبیدہ خاطر نہیں ہوتے۔ بلکہ اگر اتفاق سے کبھی کوئی صحیح اعتراض کرتا ہے تو اسے بخوشی تسلیم کر لیتے ہیں۔ اور ہٹ دھرمی کو مطلق دخل نہیں دیتے۔ ناظرین کی تفریح کیلئے آپکے کلام کا تھوڑا سا انتخاب درج تذکرہ کیا جاتا ہے۔

کلام کا تھوڑا سا حصہ :—

نسیم صبح نہ چھیڑے مجھے کہ دامن سے
کسی کے ہاتھ کا جھاڑا ہوا غبار ہوں میں

* * *

''جان دیکر تمہیں جینے کی دعا دیتے ہیں
پھر بھی کہتے ہیں عاشق ہمیں کیا دیتے ہیں

ایسی ذات ہے مرے واسطے عزت سے سوا
خود وہ اٹھکر مجھے محفل سے اٹھا دیتے ہیں،،

۳—علامہ اقبال کے سفر ولایت سے واپسی پر یہ نوٹ ان کے قریبی دوست محمد دین فوق نے اپنے رسالے کشمیری میگزین لاہور بابت ماہ اگست ۱۹۰۸ء صفحہ ۳۳—۳۵ میں لکھا تھا۔ اور دو استقبالیہ نظمیں بھی درج کی تھیں جو یہاں بھی نقل کی جاتی ہیں۔ اس نوٹ کا عنوان تھا۔

،،اقبال لاہور میں،،

،،ملک کے فخر اہل خطہ قوم کے سرمایہ ناز اور نیازمند فوق کے محب قدیم شیخ محمد اقبال جو اپنے وطن میں صرف پروفیسر اقبال ایم، اے تھے انگلستان اور جرمنی میں کشمیری ذہانت و طباعی کا سکہ بٹھا کر اور اپنی تعلیم کو کامیابی اور تعریف کے ساتھ تکمیل کرکے نہ صرف ایل ایل ڈی اور پی ایچ ڈی (ڈاکٹر آف فلاسفی) کی اعلی علمی ڈگریاں لیکر مع الخیر اپنے وطن کو تشریف لائے ہیں بلکہ اعلی قانونی امتحان (بیرسٹری) بھی پاس کر آئے ہیں۔ ڈاکٹر اقبال جس کی شاعرانہ اور علمی قابلیت ہندوستان اور انگلستان تک مسلمہ ہے ہندوستان کا چمکدار ہیرا اور اپنی برادری (اہل خطہ) کا ایک درخشندہ گوہر ہے۔ خوش نصیب ہے وہ ملک جہاں ایسے ہونہار اور قابل نوجوان پیدا ہوں اور قابل رشک ہے وہ قوم جسکی برادری میں علم و فضل کا یہ پتلا موجود ہو۔ شیخ صاحب ۲۷ جولائی ۱۹۰۸ء کو بروز پیر شام کی گاڑی پر لاہور تشریف لائے۔ وقت مقررہ سے پیشتر ہی انکے احباب اور دیگر بزرگان لاہور جن میں ہندو مسلمان بلا تخصیص مذہب شامل تھے استقبال کے لئے پہنچ گئے تھے۔ اقبال کا پلیٹ فارم پر قدم رکھنا تھا کہ پھولوں کی بارش شروع ہوگئی۔ اسٹیشن کے اندر اور باہر نوجوانان لاہور کا خاصا ہجوم تھا جن میں عوام کے علاوہ اکثر بیرسٹر، وکیل، سکریٹریان، انجمن ہائے ایڈیٹران اخبارات و رؤسائے شہر بھی تھے۔ اقبال نہایت خندہ پیشانی اور فراخ دلی سے سب سے ملے مزاج میں ولایت والوں کی سی کوئی بات نہ تھی۔ جو سادگی آج سے تین سال پہلے تھی اب ولایت سے ہو آنے اور اتنی ڈگریاں پاس کرنے کے بعد بھی وہی نظر آئی۔ اور ایسا شخص جو نہ صرف خود ہی صاحب دل اور فقیر دوست ہو بلکہ اسکا خاندان بھی فقر و تصوف کی چاشنی کا لذت چشیدہ ہو اپنے اصلی (صوفیانہ اور سادہ) رنگ کو کب چھوڑ سکتا ہے۔ چنانچہ جب آپ ولایت گئے تو رستے میں بمقام دہلی درگاہ حضرت سلطان الاولیاء محبوب الٰہی

پر حاضر ہوکر اپنی کامیابی کی دعا مانگی اور اب ولایت سے واپس ہوتے ہوئے بھی حضرت محبوب الٰہی کے آستانۂ مبارک ہوکر آئے۔ اسٹیشن سے روانہ ہوکر شیخ صاحب اور ان کے احباب بھاٹی دروازہ کے باغ میں پہنچے جہاں ان کے ہم وطن دوست شیخ گلاب دین صاحب وکیل چیف کورٹ پنجاب کی طرف سے خیمہ وغیرہ ایستادہ تھے۔ خان بہادر میاں محمد شفیع صاحب بیرسٹر ایٹ لاء خوش نویس پیسہ اخبار لاہور نے ایک نظم پڑھی۔ جس سے حاضرین بہت محظوظ ہوئے۔ دوسرے دن شیخ صاحب اپنے وطن سیالکوٹ تشریف لے گئے۔ ذیل میں ایک نظم غلامی صاحب کی اور ایک نظم خیر مقدم منشی الہ یار صاحب جوگی کی درج کی جاتی ہے۔ امید ہے کہ دونوں نظمیں ناظرین کی دلچسپی کا باعث ہونگی۔

ایڈیٹر۔

نظم منشی الہ یار صاحب جوگی

کدھر ہے کیف مسرت مجھے سنبھال سنبھال
کہ ہو کے آئے ولایت سے ڈاکٹر اقبال
چڑھی ہوئی ہیں خوشی کے خمار سے آنکھیں
نشہ میں چور ہوں دل ہے میرا نہال نہال
خدا کے فضل سے وہ کی ہیں ڈگریاں حاصل
کہ اس زمین میں جن کا ہے اندراج محال
گذشتہ ہفتہ کو لاہور کے اسٹیشن پر
رئیس سارے کھڑے تھے برائے استقبال
وہ لیٹ گاڑی کا ہونا وہ انتظار شدید
وہ ہر زباں پر تیرا ذکر سبکو تیرا خیال
ترس گئیں تھیں یہ آنکھیں کسی کے درشن کو
دوبارہ لایا یہ موقع وہ ایزد متعال
وہ کشمکش تھے احبا کو دیکھنے کی ترے
رسائی پانا بھی تجھ تک تھا ایک امر محال
گلے سے ملتے تھے تیرے اچھل اچھل کر دوست
کوئی تھا دور کے نظارہ سے ہی تیرے نہال
ترس ترس کے یہ موقع خوشی کا پایا ہے
کہ آئے خیر سے گھر پھر کے حضرت اقبال

تھی حاجت ایسے ہی لیڈر کی اہل خطہ کو
جواں خیال جواں سال اور جواں اقبال

تیری ترقی کی دنیا ہے سامنے تیرے
زمانہ اب ہے موافق سنبھل ہمیں بھی سنبھال

گئے وہ دن کہ جو کہتے تھے اب مٹی یہ قوم
اڑا وہ رنگ جو سنتے تھے اب گرے پر و بال

یہی دعا ہے یہی آرزو یہی امید
کہ دوست شاد ہوں دشمن ترے رہیں پا مال

نظم منشی غلام علی خاں صاحب غلامی

آمد اقبال سے جشن طرب گھر گھر ہوا
اوج پر آج پھر لاہور کا اختر ہوا

دوست اور احباب خرم ہیں تیرے دیدارسے
جبکہ تو مثل ہلال عید جلوہ گر ہوا

ڈگریاں پاکر ولایت سے تو آیا کامیاب
فلسفہ میں خاصکر بیکن کا تو ہم سر ہوا

کیوں نہ ہو ہندوستان میں تیراشہرہ چار سو
تیرا علم و فضل اور اخلاق جب برتر ہوا

ہوگیا پنجاب میں ممتاز شہر سیالکوٹ
فخر اسکو جب کہ تیرے نام نامی پر ہوا

فاضلان دھر میں پایا ہے توئے امتیاز
کامیابی کا قلعہ ہمت سے تیری سر ہوا

لہذا تو خیریت سے واپس آیا پھر یہاں
حق میں دن لاہورکے یہ عید سے بڑھکر ہوا

آکہ تیری جاہ وچشم و دل میں ہے مدام
تیرا استقبال بزم عیش کا منظر ہوا

ہے غلامی بھی تیرا مخلص قدیم اے نیک خو
خیر مقدم کو ترے یہ بھی بدل حاضر ہوا

۴—خمخانہ جاوید کے بعد یہ دوسری تحریر ہے جو علامہ اقبال کی

زندگی کے بارے میں کسی قدر تفصیل سے لکھی گئی ہے۔ اور چونکہ یہ انکے قریبی دوست محمد دین فوق کے قلم سے ہے اسلئے اور بھی قابل ذکر ہے۔ کشمیری میگزین اپریل ۱۹۰۹ء کے صفحات ۳۱ تا ۳۶ پر یہ شایع ہوئی تھی عنوان یہ تھا۔

''حالات اقبال،،

یعنی ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب ایم اے پی ایچ ڈی بیرسٹر ایٹ لاء لاہور کی تعلیمی اور شاعرانہ زندگی کے مختصر حالات :

خاندان کا مشرف بہ اسلام ہونا :—

شیخ صاحب کا کشمیری پنڈتوں کے ایک قدیم خاندان سے تعلق ہے جسکی ایک شاخ اب تک کشمیر میں موجود ہے شیخ صاحب کے جد اعلی قریباً دو سو سال ہوئے مسلمان ہوئے تھے۔ گوت انکی ''سپرو،، ہے ان کے بزرگ کا اسلام پر ایمان لانا ایک ولی کے ساتھ عقیدت کی وجہ سے ہوا۔ اور وہ حسن عقیدت اس خاندان میں موجود ہے۔

ولادت اور تعلیمی زندگی :—

آپ ۱۸۷۵ء میں بمقام سیالکوٹ اپنے خوش نصیب والدین کے گھر پیدا ہوئے اسوقت آپکی عمر پورے ۳۴ سال کی ہے۔ ابتداء میں اکثر مسلمان بچوں کی طرح آپ نے بھی مکتب کی ہوا کھائی۔ پھر مدرسہ میں داخل ہوئے اور پانچویں جماعت کا امتحان وظیفہ لیکر پاس کیا۔ مڈل کے درجوں میں بھی نہ صرف تعریف کے ساتھ کامیاب ہوئے بلکہ مڈل کے آخری درجہ میں بھی وظیفہ حاصل کیا۔ اسکے بعد باب العلوم شروع ہوتا ہے۔ یعنی انٹرنس کلاس جو کالج کا دروازہ ہے دروازہ کھولنا ہمت و استقلال اور فتح و شکست کے بہترین آثار کا عمدہ نمونہ ہے اور خوشی کی بات ہے کہ اقبال بھی جب کالج کا دروازہ کھول کر کالج کے مدارج میں داخل ہوئے۔ یعنی جب انہوں نے انٹرنس کا امتحان پاس کیا تو پرائمری اور مڈل کی طرح یہاں بھی سرکاری وظیفے لیکر کامیاب ہوئے۔

آپ کی طبیعت ابتدا ہی میں ذکاوت و ذہانت کا ایک نمونہ تھی جب

آپ ایف اے (اسکاچ مشن کالج سیالکوٹ) میں داخل ہوئے تو مولانا سید میر حسن صاحب جیسے قابل سخن شناس عالم متجر اور استاد مشفق کی توجہ خاص اور فیضان صحبت و تربیت نے ان جوہروں کو جلا دینے میں جو قدرت نے شیخ صاحب کی طبیعت میں امانت رکھے تھے کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ سیالکوٹ کالج سے فارغ ہوکر آپ لاہور گورنمنٹ کالج کی بی اے کلاس میں داخل ہوئے۔ طبیعت چونکہ فلسفیانہ پائی تھی اسلئے بی اے کے امتحان میں فلسفہ کا مضمون لیکر نہ صرف پاس ہی ہوئے بلکہ انگریزی اور عربی میں با تعریف کامیاب رہنے کیلئے دو طلائی تمغے اور وظیفہ بھی حاصل کیا۔ انہی دنوں مسٹر ڈبلو آرنلڈ صاحب علیگڈھ کالج سے گورنمنٹ کالج میں چلے آئے۔ فلسفہ دانی میں آرنلڈ صاحب کی شہرت عالمگیر ہے محتاج بیان نہیں اس شہرت نے اقبال کو بے اختیار اپنی طرف کھینچا۔ آرنلڈ صاحب بھی اس ہونہار طالب علم کی تیز فہمی اور اس کے فلسفیانہ دماغ کے معترف ہوگئے اور اقبال کو شاگردی کے مرتبت سے گزار کر رفتہ رفتہ دوستی کے اعزاز تک پہنچا دیا۔ آرنلڈ صاحب اقبال کی تحقیقات علمی اور اس کی فلسفیانہ طبیعت کے متعلق فرمائے تھے کہ :

> ''ایسا شاگرد استاد کو محقق بنا دیتا ہے اور محقق کو محقق تر،، غرض یونیورسٹی کی آخری تعلیم (استحان ایم اے) کا مرحلہ بھی طے کیا اور تمام پنجاب میں فرسٹ رہنے کی وجہ سے ایک تمغہ بھی حاصل کیا۔

سلسلہ ملازمت

ایم اے پاس ہونے کے بعد اورینٹل کالج لاہور میں تاریخ، فلسفہ اور سیاسیات مدن کے مضامین پر لکچر دینے کیلئے مقرر کئے گئے۔ پھر گورنمنٹ کالج میں فلسفہ اور انگریزی کے اسسٹنٹ پروفیسر مقرر ہوئے۔ افسران کالج اور عہدہ داران تعلیم کی رائے ان کی خدمات اور ان کی لیاقت علمی کے متعلق بہت اچھی ہے۔ علمی مسائل آپ کی زندگی کے جزو ضروری ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اکثر طالب علموں کو آپ اپنے مکان پر بھی کالج کے بعد پڑھایا کرتے ہیں۔ جب تک آپ طالب علم رہے، نیک، سعادت مند، ذہین اور محنتی رہے اور جب استاد کی حیثیت میں آئے تو ایک شفیق اور بیتکلف اور مہربان استاد ثابت ہوئے۔ اسی زمانے میں سیاست مدن پر ایک کتاب بنام ''علم الاقتصاد،، جو اپنے فن کی ایک بیش قیمت اور جامع کتاب ہے۔

سفر ولایت

تحقیقات علمی کا شوق جنون کی حد تک پہنچا ہوا تھا اس کا علاج یہاں بھی کثرت مطالعہ کے ذریعہ ہوتا رہا لیکن :

مریض علم پر رحمت خدا کی مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

آخر فلسفہ، قانون اور تحقیقات علمی کے لئے ولایت کا سفر اختیار کیا اور محض علم اور صرف علم کی خاطر ہی نہ صرف وطن سے، دوست و احباب سے بلکہ والدین، بال بچوں اور دیگر اعزہ سے ہزارہا میل کے فاصلے کی مفارقت اختیار کی اور دنوں اور مہینوں کے لئے نہیں بلکہ کامل دو سال تک وہاں رہے۔ کیمبرج یونیورسٹی سے ڈاکٹر آف فلاسفی (پی ایچ ڈی) کی فرسٹ کلاس ڈگری ایک کتاب بنام ''فلسفۂ ایران،، لکھنے سے حاصل کی۔ یہ کتاب جو لندن میں شائع ہوچکی ہے انگریزی کا ایک اعلی نمونہ ہے۔ ولایت کے بڑے بڑے اہل الراؤں نے انگلستان کے مشہور پرچوں میں نہایت عمدہ مضمون لکھے۔ فضلائے یورپ نے اس کتاب کو نہایت پسندیدگی کی نظر سے دیکھا ہے۔ افسوس ہے کہ ایسی لاجواب تصنیف ہنوز اردو زبان میں ترجمہ نہیں ہوئی۔ جرمنی سے واپس آنے کے بعد لندن کے اسکول آف پولیٹیکل سائینس میں داخل ہوئے اور وہاں کے پروفیسروں اور عالموں اور بڑے بڑے سائنس دانوں اور انگلستان کے دیگر فضلاء، حکما اور مدبرین سے استفادہ کیا اور بیرسٹری کا امتحان بھی کامیابی کے ساتھ پاس کیا۔

انگلینڈ میں بطور لکچرر و پروفیسر :

بہت کم لوگ ایسے ہیں جو تحریر و تقریر اور نظم و نثر میں یکساں روانی اور یکساں قابلیت رکھتے ہوں۔ دوران قیام انگلینڈ میں باوجود کثرت مشاغل ''اسلام،، پر چھ پبلک لکچر دئے جو نہایت مقبول ہوئے اور جس سے آپ کی مذہبی تحقیقات کی بھی دھوم مچ گئی۔ تین ماہ تک لندن یونیورسٹی میں پروفیسر آرنلڈ کے قائم مقام کی حیثیت میں آپ عربی پروفیسر بھی رہے۔

ولایت سے واپسی

صرف ۳۲—۳۳ سال کی عمر میں اتنے علمی اعزاز، اس قدر ڈگریاں اور فارسی، عربی، سنسکرت کے علاوہ یورپ کی کئی زبانوں میں ماہر ہونا اور

مقبولیت اور شہرت حاصل کرنا معمولی دماغ اور تربیت کا کام نہیں ہے۔ اقبال کی عزت جو عالم متجر ہونے کی حیثیت سے آج کل ہندوستان اور یورپ میں ہے وہ بہت کم لوگوں کو نصیب ہے۔ آخر آپ ولایت سے واپس وطن کو روانہ ہوئے اور بمبئی، دلی، انبالہ میں ٹھہرتے اور اپنے دوستوں سے ملتے ہوئے ۲۷ جولائی ۱۹۰۸ء کو بروز پیر شام کی گاڑی پر لاہور تشریف لائے۔ یہاں ان کے احباب اور دیگر بزرگان لاہور بلا تخصیص مذہب ان کے خیر مقدم کے لئے اسٹیشن پر موجود تھے۔ شام کو ان کے اعزاز میں ایک پارٹی منعقد ہوئی جہاں اکثر احباب نے نظمیں بھی پڑھیں۔ ایک دن کے قیام کے بعد آپ سیالکوٹ تشریف لے گئے جہاں آپ نے ایک لکچر بھی دیا۔

اقبال کی شاعری

تعلیم کے ابتدائی مدارج میں طبع خداداد کے شاعرانہ جوہر بالکل ظاہر نہ ہوئے بلکہ جوہری خود بھی اپنے کمال سے بے خبر تھا۔ لیکن جب آپ کالج کے درجے میں پہنچے اور علم کی روشنی سے طبیعت کو جلا ہوتی گئی تو ذرہ آفتاب بن کر چمکا اور ایسا چمکا کہ عالم کو طرز جدید کی شاعری سے منور کردیا۔ فن سخن کا نہایت چستہ اور صحیح مذاق سخن آفرینی آپ کی طبیعت میں ودیعت کیا گیا ہے۔ ایف اے کی طالب علمی کے دنوں ہی میں آپ نے استاذی المعظم نواب فصیح الملک بہادر مرزا داغ مرحوم استاد حضور نظام دکن سے اصلاح لینی شروع کی۔ چنانچہ ایک مقطع میں فرماتے ہیں :

نسیم و تشنہ ہی اقبال کچھ اس پر نہیں نازاں
مجھے بھی فخر ہے شاگردیٔ داغ سخندان کا

لیکن طبیعت چونکہ فلسفہ کی طرف مائل تھی اور مشکل پسند واقع ہوئی تھی اسلئے باوجود داغ کی شاگردی کے غالب کا رنگ اختیار کیا اور اس میں کامیاب ہوکر نکلے۔

شاعری کا چرچا

آپ کی شاعری کا چرچا ابتدا میں ہم جماعت طلبا تک ہی محدود تھا۔ فروری ۱۸۹۶ء میں جب کہ آپ بی اے میں پڑھا کرتے تھے آپ کی شاعری کی دھوم طلباء سے نکل کر اہل خطہ کی مجلس میں پہنچی جہاں آپ نے ایک

نظم اور چند رباعیاں پڑھیں جن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی طبیعت شروع ہی میں کیسے ادق اور مشکل مضامین پسند کرتی تھی۔

بزم مشاعرہ

چند سال ہوئے لاہور میں ایک بزم مشاعرہ نہایت کامیابی اور کمال رونق سے منعقد ہوا کرتی تھی۔ اچھے اچھے سخن فہم اور شاعر جمع ہوئے تھے۔ ایک مشاعرہ میں ہمارے نوجوان اقبال نے بھی جب کہ ۲۰—۲۲ برس کا سن تھا۔ طرح پر ایک غزل پڑھی اور جب اس شعر پر پہنچے :

موتی سمجھ کے شان کریمی نے چن لئے
قطرے جو تھے مرے عرق انفعال کے

تو مرزا ارشد گورگانی مرحوم بے اختیار واہ واہ کہہ اٹھے اور بولے :
''میاں اقبال اس عمر میں اور یہ شعر،،

یہ پہلا موقع تھا کہ لاہور کے با مذاق لوگوں کو اس نوجوان اور ہونہار شاعر سے شناسائی ہوئی۔

نالہ' یتیم

لیکن جس نظم سے آپ کی شہرت ہندوستان کے علمی طبقہ اور بالخصوص پنجاب کے ہر کس و ناکس میں پھیلی وہ ''نالہ یتیم،، کی نظم تھی جو ۱۸۹۹ء میں دوستوں کے اصرار سے آپ نے انجمن حمایت اسلام لاہور کے جلسہ میں عجب سوز و گداز اور دلنشین سروں میں پڑھی تھی۔ نظم کا مضمون اور اس کا انداز بیان کچھ ایسا مقبول ہوا کہ لوگ بار بار سنتے تھے اور متاثر ہو ہو کر انجمن کے لئے روپے کی بارش برساتے تھے اور پھر بھی سیر نہ ہوتے تھے۔ اس کے بعد انجمن کے ہر سالانہ جلسے میں نظم اقبال ایک ضروری جزو ہو گئی۔

کلام کی مقبولیت

آپ کے اشعار واقعیت کا رنگ لئے ہوئے ہوتے ہیں اور چونکہ دل میں درد اور سوز و گداز ہے اور طبیعت میں فلسفہ اور تصوف کا عشق ہے اس لئے کلام درد اور سوز کا ایک مجموعہ ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ دور دور سے

داد آتی ہے۔ چنانچہ مولانا شبلی مرحوم فرماتے ہیں :

''جب آزاد اور حالی کی کرسیاں خالی ہونگی تو لوگ اقبال کو ڈھونڈیں گے،،

کلام کی مقبولیت تعلیم یافتہ حضرات کے علاوہ ان پڑھ فرقہ میں بھی جا پہنچی ہے چنانچہ ایک دفعہ راقم الحروف اضلاع کانگڑہ و شملہ کے دشوار گزار پہاڑوں میں سفر کر رہا تھا وہاں جاہل و گنوار لڑکوں کو جو پہاڑوں کی چوٹیوں اور کھلے میدانوں میں مویشی چرا رہے تھے۔ یہ شعر ایک مست اور اچھی لے میں پڑھتے ہوئے سنا۔

آتا ہے یاد مجھ کو گزرا ہوا زمانہ
وہ جھاڑیاں چمن کی وہ میرا آشیانہ

آپ کی اکثر نظمیں سرکاری کورسوں میں بھی داخل ہیں اور بالعموم آپ کی غزلیں اور دیگر اشعار رسالہ مخزن کے ذریعہ جو اردو علم و ادب کا ایک بہترین رسالہ ہے، پبلک پر ظاہر ہوتے ہیں۔ فرمائشی نظموں سے آپ بہت گھبراتے ہیں اور در حقیقت شعر طبیعت کا ایک بے اختیار جوش اور دل کا ایک ابال ہے اور پورا لطف اسی میں ہے کہ بلا تصنع اور بے ساختہ زبان پر جاری ہو۔ آپ کی اکثر نظمیں ''ہندوستان ہمارا،، اور ''نیا شوالہ،، وغیرہ نہایت مقبول ہیں اور عام طور پر گائی جاتی ہیں۔ ملکہ وکٹوریہ مرحومہ قیصرہ ہند کے انتقال پر ۱۹۰۱ء میں آپ نے ایک دلگذار مرثیہ لکھا تھا جس کی اکثر کاپیاں گورنمنٹ پنجاب نے بھی اپنے خرچ پر چھپوائی تھیں۔

موجودہ حالت

انگریزی اور اسلامی فلسفہ کے علاوہ ہندو فلسفہ کا بھی آپ نے مطالعہ کیا ہے اس لئے سب مذاہب کی دل سے تعظیم کرتے ہیں۔ ہندوؤں اور مسلمانوں میں آپ کو یکساں ہر دلعزیزی حاصل ہے۔ آپ آج کل لاہور میں قانونی پریکٹس کرتے ہیں بوجہ کثرت کار علمی مشاغل میں آج کل چنداں منہمک نہیں ہیں اور یہی وجہ ہے کہ شعر گوئی بھی تقریباً ترک ہے۔ اکثر انجمنوں اور سوسائیٹیوں سے آپ کو تعلق ہے۔ برادران قوم اور دوست احباب کے اصرار و التجا سے آپ نے انجمن کشمیری مسلمانان لاہور کا عہدہ جرنل سیکرٹری بھی بڑی مہربانی سے قبول فرمالیا ہے اور آپ اپنا قیمتی وقت

برادری کی بہبودی و بہتری میں بھی صرف کرتے ہیں۔ اللہ تعالی قوم کے اس نوجوان کی عمر دراز کرے۔

اہل اللہ سے ارادت

انگریزی تعلیم سے نوجوانان ملک و قوم کے تمام بالخصوص مذہبی خیالات کو نقصان عظیم پہونچا ہے۔ یہ ایک حد تک درست ہے لیکن جب غور کیا جائے گا تو معلوم ہوگا :

مے کہ بدنام کند اہل خرد را غلط است
بلکہ مے می شود از صحبت ناداں بدنام

در حقیقت یہ ہمارا اپنا قصور ہے۔ ہماری تعلیم و تربیت اگر اچھے پیمانے پر ہو صحبت نیک ہو مذہبی تعلیم سے اچھی واقفیت ہو تو اسلام کا کوئی بڑے سے بڑا دشمن بھی ہم کو صراط مستقیم سے گمراہ نہیں کرسکتا۔ آج کل مشائخ اور اولیائے کرام کی طرف سے جو بدگمانی بلکہ نفرت سی تعلیم یافتہ گروہ میں پھیل رہی ہے وہ محتاج بیان نہیں لیکن اقبال اور اس کا خاندان اس بات کا زندہ نمونہ ہے کہ تعلیم کیساتھ اگر تربیت اور مذہبی واقفیت بھی ہو تو مشائخ اور اولیاء کے حسن عقیدت کے اثر کو انگریزی اعلی تعلیم، سائنس اور فلسفہ اور ممالک یورپ کی سیر و سیاحت اور نئی روشنی اور تہذیب بھی زائل نہیں کرسکتی۔ چنانچہ آپ ولایت جاتے ہوئے بھی بمقام دہلی آستانہ حضرت محبوب الہیٰ پر حاضر ہوئے وہاں ایک خالص صوفیانہ نظم بھی پڑھی اور واپسی کے وقت بھی جب کہ علاوہ علمی قابلیتوں کے اضافے کے آزادی یورپ کی ہوا بھی کھا چکے تھے درگہ حضرت نظام‌الدین اولیا (محبوب الہیٰ) پر بصد عجز سر تسلیم و نیاز خم کیا۔ غرض یہ ،وروثی مذاق ہماری موجودہ شاعری میں بھی موجود ہے اور اس کی شاعری کا جزو ضروری بن گیا ہے۔

۵—یہ خط ''زمانہ،، کانپور۔ فروری ۱۹۱۹ء صفحہ ۱۲۴ پر ''مراسلات،، کے ذیل میں شائع ہوا تھا۔ جس قطعہ سے متعلق یہ شعر ہے وہ بھی سامنے رہے تو اچھا ہے۔ مذکورہ اشعار نقل کئے جاتے ہیں جو زیر عنوان

''نصیب ماز جہان است بعد ہمت ما،،

درج تھے ۔ اشعار حسب ذیل ھیں :

ھیچ می دانی کہ صورت بلند ھستی با فرانس
فکر رنگین و دل گرم و شراب ناب داد
روس را سرمایہ جمیعت خاطر ربود
قھرا ور کوہ گراں را لرزۂ سیماب داد
ملک و تدبیر و تجارت را بانگلستان سپرد
جرمنی را چشم حیران و دل بیتاب داد
تـابر انگیزد نـوائے حریت از ساز دھر
صـدر جمہوریہ امریکہ را مضراب داد
ھر کسے در خورد فطرت از جناب او ببرد
بھر ما چیزے نہ بود و خویش را با ما سپرد

''جناب ایڈیٹر صاحب

جنوری کے زمانہ میں کلام اقبال کے عنوان سے چند فارسی اشعار درج تھے جو میری نظر سے گزرے ۔ ڈاکٹر اقبال کی اردو شاعری میں کسی کو کلام نہیں ھوسکتا بلکہ باوجود اھل زبان نہ ھونے کے آپ کی شستہ زبان اور جدت خیالات پر ھم اھل پنجاب جتنا بھی ناز کریں بجا ھے ۔

بہت ھی اچھا ھوتا اگر ھمارے دوست اپنے سمند خوش خرام کا جولاں اردو کے میدان ھی میں محدود رکھتے ۔ فارسی کی زمین سنگلاخ پر آپ کا اسپ تازی ناخون لیتا ھوا دکھائی دیتا ھے ۔

ان پانچ شعروں میں عروض اور محاورہ کئی جگہ سقیم ھے ۔ مثلاً

(۱) صورت بند محاورہ نہیں ۔ صورت گر یا صورت آرا کہتے ھیں ۔ بند کے ساتھ نقش بند ھوا کرتا ھے ۔

(۲) با فرانس سے مراد آپ کی فرانس را کی ھے ۔
بہ فرانس کے معنی فرانس را کے ھوسکتے ھیں ۔ با کے معنی ھمراہ یا بمعہ کے ھوا کرتے ھیں ۔

(۳) ایرانی فرانس کو فرنسہ کہتے ھیں ۔ فرانس نہیں کہتے اور تقطیع میں ف متحرک پڑتی ھے جو صحیح نہیں ۔

(۴) فکر رنگین نہیں ہوتی ۔ طبع رنگین محاورہ ہے ۔

(۵) دل گرم نہیں ہوتا ۔ دل نرم، دل شاد و خورم اور سرد دل البتہ مستعمل ہے ۔

(۶) چشم حیراں کی جگہ پر سرگراں بمعنی نخوت و تکبر زیادہ موزوں ہے ۔

(۷) نوا کی بجائے صدا ہونا چاہئے ۔ ساز میں سے صدا نکلتی ہے نہ نوا ۔

(۸) امریکہ کی تقطیع میں امریک آتا ہے ۔

(۹) میں شاعر نہیں البتہ شعر پڑھنے کا شوق رکھتا ہوں اسلئے جو ذہن میں آیا بے تکلف عرض کیا ۔

بھولا ناتھ (لفٹنٹ کرنل)

۶۔یہ تحریر کرنل بھولا ناتھ کے اعتراضات کا جواب ہے جو بجائے خود علامہ اقبال کی شاعری کے بارے میں چند اشارے کرتی ہے ۔ اعتراضات کے جوابات سے قطع نظر اس کا مطالعہ اس لئے بھی دلچسپ ہے ۔

جہاں تک جوابات کا تعلق ہے وہ بڑے سلجھے ہوئے انداز میں دئے گئے ہیں اور لکھنے والے (خواجہ عبدالواجد ندوی، سابق سب ایڈیٹر، 'الہلال') کے وسیع مطالعہ اور خوش ذوق کا ثبوت ہیں ۔ یہ تحریر زمانہ مارچ ۱۹ء میں صفحات ۱۷۳ تا ۱۸۰ پر شائع ہوئی تھی اور اس کا عنوان مندرجہ ذیل تھا :

''مباحثہ ڈاکٹر اقبال و کرنیل بھولا ناتھ،،

''آپ کے رسالے کے فروری نمبر میں لفٹنٹ کرنل بھولا ناتھ صاحب کی مراسلت میری نظر سے گزری ۔ غلطی ہر فرد و بشر سے ممکن ہے اس باب میں متقدمین ۔ متاخرین اہل زبان، غیر اہل زبان، فارسی گو اور ریختہ گو سب ایک سطح پر ہیں ۔ اس انسانی کمزوری کا علاج صحیح اور بیلاگ تنقید ہے ۔ صحیح تنقید ہی وہ آئینہ ہے جس میں شاھد سخن کا ایک ایک خط و خال صاف صاف نظر آتا ہے ۔ عام ناظرین پڑھتے ہیں نازک اور دلفریب اداؤں

سے واقف ہوتے ہیں اور کمال فن کی داد دیتے ہیں خود شاعر دیکھتا ہے تو اسے اپنے جوہر کمال کے پہلو بہ پہلو اپنے نقائص بھی بے نقاب نظر آتے ہیں (اگر طلب کمال کا شوق ہے تو) اپنے جوہر کو اور چمکاتا ہے اور نقائص کی اصلاح کرتا ہے۔ عہد مغلیہ میں ایران کے شعرا نے ہندوستان میں آکے جو ترقی کی وہ ان کو خود ایران میں حاصل نہیں ہوئی۔ اس کا اصل راز یہ ہے کہ اس زمانے میں ہندوستان کے سلاطین و امرا فیاض و فن پرور ہونے کے ساتھ خود اہل نظر اور جوہر شناس بھی ہوتے تھے۔ اپنی صحیح نکتہ چینیوں سے ذی استعداد شعرا کے جوہر چمکاتے اور ان کی خامیاں دور کرتے تھے۔ عرفی، نظیری، صائب کلیم فارسی شاعری، خصوصاً غزل گوئی کے مہر و ماہ ہیں لیکن ان کے اس کمال سخن نے مغلیہ سلاطین و امرا کے دامن تنقید میں پرورش پائی تھی۔

لیکن آج بدقسمتی سے حالت برعکس ہے۔ سلاطین امرا جمہور سب سے مذاق سلیم رخصت ہوچکا ہے اگر کوئی شاعر شہرت کے منظر عام پر آچکا ہے تو اس کا ادنی و اعلی رطب و یابس ہر قسم کا کلام یکساں ذوق و شوق کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اور اگر کوئی خوشگو شاعر بدقسمتی سے گوشۂ گمنامی میں پڑا ہوا ہے تو اس کے عمدہ سے عمدہ اشعار کی داد دینے والا نہیں ملتا۔

ڈاکٹر اقبال شہرت کی حد سے گزر کر 'ترجمان قوم' کے درجہ تک پہنچ چکے ہیں اس لئے بہت ممکن ہے کہ بعض لوگوں کو ان کے کلام کی حرف گیری ناگوار معلوم ہو لیکن اگر پہلے ان کے کلام کی آزاد تنقید ضروری تھی تو اب بھی از بس ضروری ہے کیونکہ کامل سے کامل استاد بھی لغزش و خطا سے معصوم ہونے کا دعوی نہیں کر سکتا۔ درحقیقت کسی شے کا ''انسانی،، ہونا ہی اس کے ''بے عیب،، نہ ہونے کی دلیل ہے۔ کرنل بھولا ناتھ صاحب اقبال کی ایک فارسی نظم میں بعض فروگذاشتیں دکھانا چاہتے ہیں مگر مجھے ان کی اردو شاعری میں اس ہی قسم کی کمزوریاں آشکارا نظر آتی ہیں۔ ''ترانہ،، اور ''شکوہ،، ان کی شاعری کا واسطتہ العقد ہیں لیکن کیا ان کا دامن شہرت اغلاط کے دامن سے پاک ہے؟

مگر یہ لغزشیں ان کے ماہتاب کمال کے داغ ہیں۔ چاند میں بھی داغ ہیں مگر ان داغوں کی وجہ سے اسکے جمال جہاں آرا سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اقبال کی شعر مجسم طبیعت سے غلطیاں ہوتی ہیں اور اردو اور فارسی دونوں میں ہوتی ہیں مگر ان غلطیوں کی وجہ سے میں کرنل بھولا ناتھ صاحب کا

ہم آہنگ ہوکر یہ نہیں کہہ سکتا کہ ''بہت اچھا ہوتا اگر ہمارے دوست (اقبال) اپنے سمند خوش خرام کا جولاں اردو ہی کے میدان میں محدود رکھتے۔ فارسی کی زمین سنگلاخ میں آپ کا اسپ تازی ناخون لیتا ہوا دکھائی دیتا ہے،، واقعہ یہ ہے کہ طبع اقبال کے ''سمند خوش خرام،، نے اپنی خوش خرامی سے دونوں میدانوں کو محشرستان خیال بنادیا ہے۔ ''رموز بیخودی،، اور ''اسرار خودی،، اسکے شاہد عادل ہیں۔ غالباً اسرار خودی کے بارے میں یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ پروفیسر نکلسن لیکچرر کیمبرج یونیورسٹی اس کا ترجمہ انگریزی میں کر رہے ہیں اور یہ تو میرے سامنے کا واقعہ ہے کہ ایک صحبت میں اسرار خودی پڑھی جا رہی تھی۔ پروفیسر محمد کاظم شیرازی (جو خاص ایرانی ہیں اور مغربی زبانوں میں سے انگریزی اور فرانسیسی سے واقف ہیں) موجود تھے اشعار سن کر جھومتے تھے اور کہتے تھے کہ ''کاش یہ شاعر ایران میں پیدا ہوا ہوتا،،۔

ان سب باتوں سے قطع نظر مشہور مستشرق پروفیسر برون نے اپنی کتاب ''پرس اینڈ پوئیٹری آف ماڈرن پرشیا،، میں جدید شاعری کے عمدہ عمدہ نمونے درج کئے ہیں ان کا مقابلہ اقبال کی مذکورہ دونوں مثنویوں سے کیجئے اور انصاف کیجئے کہ فارسی کی زمین سنگلاخ میں ہندوستان کا یہ اسپ تازی ''ایران کے سمند خوشخرام سے پہلو مارتا ہوا جا رہا ہے یا نہیں۔

تاہم کرنل بھولا ناتھ صاحب کا یہ مراسلہ دلچسپی سے خالی نہیں۔ کم از کم کرنل صاحب کی اخلاق جرأت اور صاف گوئی کی ضرور داد دینا چاہیئے۔ کرنل صاحب فرماتے ہیں کہ میں شاعر نہیں ممکن ہے یہ ایشیائی انکسار ہو لیکن اگر یہ واقعہ ہے تو آپ کے شوق سخن اور ذوق سلیم کی داد نہ دینا ظلم ہے۔ آپ نے اقبال کی نظم میں اصلاح دی ہے اور از راہ عنایت وجوہ اصلاح اپنے مراسلہ میں بیان فرمائے ہیں۔ اجازت دیجئے کہ دونوں کے متعلق کچھ عرض کروں۔

۱۔ اقبال کے پہلے شعر کے مصرعہ اول پر کرنیل بھولا ناتھ صاحب نے (آئندہ سے بغرض اختصار ہم صرف کرنل صاحب لکھیں گے) چند اعتراض فرمائے ہیں۔ پہلا اعتراض یہ ہے کہ صورت بند محاورہ نہیں ..... بند کے ساتھ نقش بند ہوا کرتا ہے ''مگر واقعہ یہ ہے کہ نقش بند کی طرح صورت بند بھی محاورہ ہے۔ لغت کی تداول اور مستند کتابوں کی تصریح موجود ہے امیر خسرو فرماتے ہیں :

منظرے بو بس کشیدہ بلند
چشم بند ہزار صورت بند

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ با فرانس بمعنی فرانس را کے صحیح نہیں ۔ یہ اعتراض پڑھ کے میری حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہی ۔ ''با،، کا ''را،، کے معنی میں آنا اسقدر مشہور و معروف بات ہے کہ لغت و قواعد کی مشہور و مستند بلکہ معمولی ادنی کتابوں میں بھی مذکور ہے ۔ یہ مصرع سنداً عرض ہے :

سنجاب دہ ز میغ با کوہ

تیسرا اعتراض لفظ فرانس پر ہے ۔ اس اعتراض کے دو جزو ہیں ۔ جز اول کا تعلق لفظ سے ہے اور جز دوم کا تعلق وزن سے ۔ اعتراض کے جزو اول سے تفریس اسماء کی ایک اصولی بحث پیدا ہوتی ہے ۔

اصل یہ ہے کہ انیسویں صدی میں فارسی بولنے والے ممالک پر مغربی تہذیب کا اثر پڑنا شروع ہوا ۔ ہندوستان سیاسی اور علمی دونوں حیثیتوں سے انگلستان کے زیر اثر رہا ۔ ایران سیاسی حیثیت سے تو انگلستان کے زیر اثر رہا مگر علمی حیثیت سے فرانس کا اثر قبول کیا ۔ وسط ایشیا علمی اور سیاسی دونوں حیثیتوں سے اس کے زیر اثر رہا اور فرانس کا اثر اگر پڑا تو اس کی وساطت سے ۔ اسلئے مغربی ناموں کا تلفظ ہر ملک نے الگ الگ کیا ۔ ہندوستان میں چونکہ یہ نام انگریزوں کی وساطت سے آئے تھے اسلئے تلفظ انگریزی کے قاعدہ سے کیا گیا ۔ ایران میں نام فرانسیسی زبان سے لئے گئے تھے اسلئے ان کا تلفظ فرانسیسی تلفظ کے مطابق کیا گیا ۔ لہذا وسط ایشیا میں ان ناموں کا تلفظ اسی قاعدہ سے کیا گیا ۔ یہ تو ایک اصولی تمہید تھی ۔ اب لفظ فرانس کو لیجئے ۔ انگریزی میں تو اس کا تلفظ فرانس ہے جو بعینہ اردو میں قائم ہے ۔ فرانسیسی میں اس کا تلفظ فرانسے اور فران کے بین بین ہوتا ہے جو غیر فرانسیسی کلام و زبان سے بغیر مشق کے بمشکل ادا ہوتا ہے ۔ اس لئے اگر ایرانی فرانس کو فرانسہ کہتے ہیں تو یہ نہ تفریس ہے اور نہ کوئی مستقل نام بلکہ درحقیقت اختلاف تلفظ کا نتیجہ ہے ۔ اب سوال یہ ہے کہ جب مغربی نام فارسی زبان میں استعمال کئے جائیں تو ان کو مفرس بنا لینا چاہئے یا اپنی اصل حالت پر قائم رکھنا چاہئے اور اگر مفرس بنایا جائے تو کس قاعدہ سے ؟ مگر واقعہ یہ ہے کہ اس کے متعلق کوئی اصول اب تک طے نہیں ہوا ہے ۔ ایرانی ارباب قلم عام قدرتی طریقہ کے پابند ہیں ۔ جس نے جو لفظ جس طرح سنا ہے اسی

طرح استعمال کرتا ہے ۔ بمبئی، کلکتہ، حیدرآباد سے جو فارسی اخبارات نکلتے تھے ان میں مغربی ناموں کا تلفظ اسی قاعدہ سے ہوتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اقبال بھی اس عام قدرتی قاعدہ کے پابند ہیں ۔ کرنیل صاحب اس روش کو قابل اعتراض مانتے ہیں یہ درحقیقت محاورہ اور زبان کی غلطی نہیں بلکہ اختلاف رائے ہے لیکن ایک عجیب بات ہے کہ کرنیل صاحب جس طریقہ کو پسند نہیں فرماتے خود اسی پر عمل کرتے ہیں ۔ ایرانی اگر فرانس کو فرانسہ کہتے ہیں تو جرمنی کو المانیا، اٹلی کو اطالیا، جاپان کو ژاپون کہتے ہیں مگر کرنیل صاحب نے اپنی اصلاح میں ان تمام ناموں کا وہی تلفظ کیا ہے جو ہندوستان میں رائج ہے ۔

پہلے شعر کے مصرعہ ثانی کے متعلق کرنیل صاحب کا یہ ارشاد ہے کہ فکر رنگین اور دل گرم محاورہ نہیں ۔ کیا عرض کروں اس وقت کوئی شعر یاد نہیں آتا ۔ تاہم کرنیل صاحب اتنا تو ضرور تسلیم فرمائیں گے کہ خیال رنگین اور رنگین خیال و نیز گرم دل بمعنی عاشق سوختہ آتا ہے ۔ کیا اس کے بعد بھی فکر رنگین اور دل گرم بمعنی سوختہ عشق غلط ہوگا ۔ مگر بہتر یہ ہے کہ یہ اعتراض سند کے ملنے تک ملتوی رکھا جائے اسلئے اس وقت صرف اس سرسری اشارہ پر اکتفا کرتا ہوں ۔

۲۔اقبال کے دوسرے شعر کے مصرع ثانی میں کرنیل صاحب چشم حیراں کے بدلہ سرگراں زیادہ موزوں خیال فرماتے ہیں ۔ معلوم نہیں یہ موزونیت شاعری کے لحاظ سے ہے یا واقعہ کے خیال سے ۔ شاعری کے لحاظ سے تو دل بیتاب کے لئے چشم حیراں ہی زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے ۔ رہا واقعہ تو اس کے متعلق وہ حضرات فیصلہ کر سکتے ہیں جو جرمن قوم کے اصل کیرکٹر سے واقف ہیں لیکن اگر واقعہ کے لحاظ سے سرگراں موزوں ہے جب بھی سرگراں چنداں مناسب نہ ہوگا کیونکہ سرگراں کے معنی بقول کرنیل صاحب متکبر اور مغرور ہونگے اور آگے داد ہے اس لئے سرگرانی ہونا چاہئے ۔

۳۔چوتھے شعر کے پہلے مصرعہ پر یہ اعتراض ہے کہ ''ساز سے صدا نکلتی ہے نہ کہ نوا،، اسلئے نوا کے بجائے صدا ہونا چاہئے ۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ نوا مطلق آواز کو بھی کہتے ہیں اور نغمہ

کو بھی - موسیقی کے بارہ مقاموں میں سے ایک مقام کا نام بھی ہے امیر خسرو فرماتے ہیں :

شد زن مطرب نوا گستری

حضرت نظامی گنجوی فرماتے ہیں :

بر زخمہ چوں نے نوا سازنم

کیا اب بھی ''ساز دھر،، سے ''نوائے حریت،، کا لکھنا خلاف محاورہ ہے ؟
کرنیل صاحب کی اصلاح واقعی قابل داد ہے گو یہ اصلاح خود اصلاح طلب ہے -

(۱) پہلے شعر کا مصرعہ اول صاف بے عیب اور چست ہے البتہ ابتدا باستفہام کی وجہ سے جو بلاغت کہ مصرع میں پیدا ہوگئی تھی وہ ہاتھ سے جاتی رہی - دوسرے مصرعہ میں دل شاد نے مفہوم بدل دیا - اقبال نے فرانس کی عشق پرستی بیان کی تھی کرنیل صاحب اس کی زندہ دلی اور خوش باشی بیان فرماتے ہیں -

(۲) دوسرے شعر میں مصرعہ ثانی غور طلب ہے - سرگراں کے متعلق اعتراضات کے سلسلے میں عرض کرچکا ہوں - لفظ داد دو جگہ آیا ہے ایک بلکل فضول اور حشو ہے -

(۳) تیسرے شعر میں مصرعہ اول میں ''ش،، را دونوں میں سے ایک زائد ہے - از ہم بالکل بھرتی کے لئے لایا گیا ہے، اگر شیرازہ کا لفظ استعمال کرنا تھا تو یوں کہنا چاہئے تھا :

روس را شیرازہ جمعیت ملت گیخت

(۴) چوتھے شعر کے دونوں مصرعہ یونان اور چین کے نون کے اعلان کے بغیر موزوں نہیں ہوتے - کیا فارسی ترکیب کی حالت میں یہ جائز ہے ؟

(۵) پانچویں شعر میں دوسرے مصرعے کو موزوں کرنے کے واسطے ھالند کی دال کو مشدد پڑھنا پڑتا ہے حالانکہ دال مشدد نہیں بلکہ ساکن ہے -

(۶) چھٹے شعر کے پہلے مصرعے میں در دل ماهی کے بدله در دل دریا هونا چاهئے۔ ناروے کی آمدنی کا بڑا ذریعه ماهی گیری هے اور مچھلی دریا سے نکلتی هے ۔

(۷) آٹھواں شعر نظم کے سلسله بیان سے الگ معلوم هوتا هے کیونکه نظم میں تقسیم ازل کا ذکر هے نه که انقلاب زمانه کا۔ اور اس شعر میں گردش روزگار کا نقشه کھینچا گیا هے ۔

آخر میں چند لفظ ان دونوں نظموں کی عام روح (اسپرٹ) کے متعلق عرض کرنا چاهتا هوں۔ اقبال کی نظم پڑھنے کے بعد یه معلوم هوتا هے که شاعر نے اپنی انفرادی شخصیت، وطن کی اجتماعی شخصیت میں جذب کردی هے ۔ اقبال اس وقت اقبال نہیں بلکه بدنصیب هندوستان هے ۔ اس کا دل هندوستان کا دل هے اس کی زبان هندوستان کی زبان هے ۔ اس کا کلام اقبال کے خیالات کی تعبیر نہیں بلکه هندوستان کے جذبات کی ترجمانی هے ۔ غرض وہ اس وقت هندوستان کے دل سے محسوس کر رها هے اس کے دماغ سے سوچ رها هے اور اسی کی زبان سے بول رها هے اس لئے وہ جانتا هے که اس موقعه پر وہ واعظ، ناصح یا خطیب نہیں بن سکتا۔ اسے شاعر اور صرف شاعر بننا چاهئے یعنی الفاظ کے آب و رنگ سے وطن کے جذبات کی تصویر کھینچنا چاهئے ۔

تھوڑی دیر کے لئے چشم ظاهر بین کو بند کر لیجئے اور هندوستان کا دل بن کر تخیل کی نظر سے دیکھنا شروع کیجئے۔ عالم اور کاروبار عالم پیش نظر هے فرانس عیش و طرب کی داد دے رها هے ۔ انگلستان تجارت و حکومت کا نقاره بجا رها هے ۔ اس حالت کو دیکھ کر جرمنی کی نگاه رشک حیراں اور دل حوصله بیتاب هے ۔ اس کا کوه استبداد زیر و زبر هوچکا هے امریکه سے انسانیت پرستی اور حریت پروری کا غلغله بلند هورها هے ۔ خیال کا مسافر بحیرۂ اٹلانٹک کے دونوں جانب سیر کرکے لوٹتا هے هم یعنی هندوستان۔ کون هندوستان ؟ جو کبھی روحانیت کا چشمه' فیض تھا ! جو کبھی آفتاب علم کا مطلع انوار تھا !! جو کبھی تہذیب و تمدن کا گہواره تھا !!! جو کبھی عیش و عشرت کا جنت آباد تھا !!!! آج اس کی کیا حالت هے ! ؟ دل پر ایک چوٹ لگتی هے حسرت کی آنکھ سے یاس کے اشک خونین ٹپکنا چاهتے هیں۔ ایک نہایت نازک موقع ایک علم النفسی لحظه کمال شاعری کی امتحان گاه، اقبال معمولی شاعر نہیں ورنه ایک حسرت آمیز شعر کہه کر اپنے فرض سے سبکدوش هو جاتا ۔ اس کی طبیعت نکته رس اور دقیقه سنج هے وہ جانتا

ہے کہ ایک پسماندہ قوم کے سامنے حسرت و یاس کی تصویر پیش کرنا اس کو موت کا پیغام دینا ہے اس لئے وہ ایک ایسا مضمون تلاش کرتا ہے جو عبرت انگیزی اور خود داری دونوں کی روح سے معمور ہو۔ اسے معلوم ہے کہ نا امیدی کی حالت میں نفس انسانی تسلی آمیز خیال کے لئے تشنہ لب ہوتا ہے اسے یہ بھی خبر ہے کہ یورپ و امریکہ اگرچہ مادیات میں اوج ترقی پر ہیں لیکن روحانیات میں ان کے یہاں صفر ہے۔ اس کے مقابلہ میں ہندوستان گو دنیاوی حیثیت سے درماندہ و بے نوا ہے لیکن روحانیت و مذہب اس کی زندگی کا عنصر غالب ہے۔ ان حالات کو پیش نظر رکھ کے وہ ایک ایسا مرقع پیش کرنا چاہتے ہیں جس میں مغرب کی مادی ترقی اور روحانی تنزل اور ہندوستان کا مادی افلاس اور روحانی دولت مندی پہلو بہ پہلو نظر آئیں۔ وہ یہ خوب جانتا ہے کہ خدا کا نام اس کے ہموطنوں کے لئے کیا کشش رکھتا ہے اس لئے وہ ساز شاعری کے اسی تار کو چھیڑتا ہے اور ایک عبرت و تسلی آمیز نغمہ اس شعر کی صورت بن کے نکلتا ہے۔

هر کسے درخورد فطرت از جناب او ببرد
بهر ما چیزے نه بود خویش را با ما سپرد

کرنیل صاحب کی نظم پڑھنے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ناظم قوم کا ایک دردمند و غمگسار ناصح ہے۔ وہ دنیا کی چہل پہل، ہل چل، جد و جہد اور رونق و گرم بازاری اور اس کے مقابلے میں اپنے عزیز وطن کی بے چینی و بے بسی کو دیکھتا ہے۔ اس کا دل خون ہوتا ہے اور یہ خون دل شعر بن کے ٹپکنے لگتا ہے وہ درد و غم سے بے چین ہے اس بے چینی کے عالم میں اقبال کی سبق آموزی اور خود داری کا سررشتہ ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے وہ اپنے وطن کی پسماندگی کا ذمہ دار ''صورت آرائے ازل،، کو سمجھتا ہے اور ایک شکوہ سنج تمہجہ میں چیخ اٹھتا ہے :

پیش هر یک بهرهٔ از خوان الوانش نهاد
هند را بهر تماشا چشم دو پر آب داد

اصل یہ ہے کہ کرنیل صاحب نے اقبال کے نقطہ خیال کو نظر انداز فرمادیا چونکہ نقطۂ خیال بدل گیا اسلئے اصلاح شدہ نظم میں نہ وہ روح رہی جو اصل نظم میں تھی اور نہ وہ اثر و کیف۔

محاکمہ' اقبال و بھولا ناتھ کے متعلق یہ چند سرسری اشارات ہیں۔ اقبال کی نظم میں بلاغت کے جو لطیف و نازک نکتہ ہیں وہ تفصیل کے طالب ہیں جو اس مختصر مراسلت کے لئے موزوں نہیں اس لئے قلم انداز کرتا ہوں۔

۷—یہ نوٹ دیا نرائن نگم کے ماہنامے ''زمانہ،، کانپور اشاعت جنوری ۱۹۲۳ء صفحہ ۶۹ سے نقل کیا جاتا ہے۔ علامہ اقبال کا کلام مختلف اوقات میں ''زمانہ،، کے صفحات کی زینت بنتا جا رہا ہے اسی تعلق کی بناء پر ایڈیٹر نے یہ نوٹ لکھا تھا اور زمانے کے مستقل عنوان ''علمی نوٹ اور خبریں،، کے تحت درج ہوا تھا :

''سر اقبال

ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب بیرسٹر ایٹ لاء، لاہور کو اس سال گورنمنٹ نے سر کا خطاب عطا فرمایا ہے۔ علامہ اقبال اپنی عالمگیر شہرت کی وجہ سے محتاج تعارف نہیں۔ آپ کے علمی و ادبی کارنامے ہندوستان کے علاوہ یورپ و امریکہ میں بھی عزت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ شکوہ، ترانہ، شمع و شاعر وغیرہ وغیرہ آپ کی بے مثل نظمیں ہیں مگر یہ قصہ ہے جب کا کہ آتش جوان تھا یعنی اس وقت آپ علامہ اقبال یا ترجمان حقیقت اقبال کے نام سے مشہور تھے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ سر کے خطاب کے بعد آپ کے علمی و ادبی شغف کا کیا رنگ ہوتا ہے۔ بہر حال ہم علامہ اقبال کی خدمت میں مخلصانہ مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ ہمارے ایک دوست نے خوشی میں ایک شعر کہا ہے :

قومیت پر آگئی غالب حکومت کی ادا
پہلے تھے علامہ اقبال اب سر ہو گئے

۸—یہ تقابلی نظمیں اور ان سے متعلقہ نوٹ شراب مثلث کے عنوان سے ''نیرنگ،، رام پور، فروری ۱۹۲۶ء میں شائع ہوئی تھیں۔ ایڈیٹر ''نیرنگ،، کا نوٹ درج ذیل ہے :

''ذیل کی تینوں نظمیں رسالہ کے مربی مولوی محمد ضیاء اللہ خان صاحب بہادر (افسر محکمہ' آڈٹ) کا عطیہ ہیں جن کو نہایت شکریے کے ساتھ درج کیا جاتا ہے۔ تینوں نظموں سے جو نتیجہ

اخذ ہوسکتا ہے وہ بھی موصوف نے ہر نظم کے اختتام پر تحریر فرما دیا ہے۔ افسوس ہے کہ ''اکمال نظم اقبال،، جن کی نظم ہے وہ اپنا نام ظاہر کرنا پسند نہیں فرماتے۔ ایڈیٹر،،

''سعدی شیریں مقال

یک روز عقابی به پریدن بهوا خاست
اندر طلب طعمه پر و بال بیا راست
آراست پر و بال ومنی کرد و چنیں گفت:
''کامروز همه ملک جهان زیر پر ماست
ناگه ز کمین گاه یکی سخت کماندار
تیری نبره آورد و فرستاد بدو راست
بر بال عقاب آمده آن تیر جگر دوز
بر سینه چساں خورد که از پشت فروخاست
در حیرت ایں ماند که ایں آهن و آن پی
آں طاقت رفتار و پریدن ز کجا یافت
چوں خوب نگه کرد پر خویش دراں دید
گفتاز که نالیم که ''از ماست که برماست،،
سعدی تو بداکن ز سر ایں کبرو منی را
دیدی که عقابی که منی کرد چها یافت

شیخ علیہ الرحمتہ نے یہ نتیجہ نکالا کہ تکبر باعث زوال ہے۔

ڈاکٹر اقبال

ماهی بچه شوخ بشاهیں بچه گفت
ایں سلسله موج که بینی همه دریاست
دارای نهنگان خروشنده ترا زمیغ
در سینه او دیده و نا دیده بلا هاست
باسیل گراں سنگ زمیں گیر و سبک خیز
با گوهر تابنده و با لولوی لالاست
بیروں نتواں رفت ز سیل همه گیرش
بالائی سر ماست نه پاست همه جاست

هرلحظه جواناست وروان است ودواناست
از گردش ایام نه افزون شدونی کاست
ماهی بچه را سوز سخن چهره برافروخت
شاهین بچه خندید و ز ساحل بهوا خاست
زد بانگ که شاهینم و کارم به زمین چیست
صحراست که درباست نه بال و پر ماست
بگزر ز سرآب و به پنهائی هوا ساز
این نکته نه بیند مگرآن دیده که بیناست

ڈاکٹر صاحب قدم اشیاء کی اور ترقی کی اور عدم تنزل اشیا کے قائل ہیں اور نفی تکبر نہیں کرتی۔ فقط۔

اکمال نظم اقبال

صیاد اجل چون سخن ماهی و شاهین
بشنید نبرد بانگ که این لاف نزیباست
رو کرد بماهی که بسے بحر بریدم
از گردش ایام چناں خشک که صحراست
یابی نه نهنگی و نه آبی و نه موجی
فی گنج گران اوج که از گوهر رخشا است
پس گفت بشاهین که برو ملک هوا بین
آن جا که بسا اهل تبار تو هویداست
دیدیم که از پارهٔ تابیده آهن
بدرود هوا کرد و نباگه زمیں راست
هر یک به ته موج و سر اوج تبازید
دانید حقیقت که بهر حال فنا هاست
چون است فنا باد بداماں چه کنی وای
اندیش که ماں بهر ز هر گونه بلا هاست
خیزد به ترقی نگر و باز تنزل
آن دل که ودیعت بروی دیدهٔ بیناست
اسباب بگیری و مسبب بشناسی
چیزے که دریں جااست بدانی که ازاں جااست

راقم .....

یہاں یہ نتیجہ ہے کہ اشیا فانی ہیں اور ترقی و تنزل ہر چیز میں ہے سوائے ذات باری تعالیٰ کے اور اسباب ترقی کا اختیار کرنا اچھا ہے مگر نتیجہ میں تنزل اور اصل سبب کو فراموش نہ کیا جائے۔

۹—یہ تحریر ایک کتابچہ ''اکبری اقبال،، کی وجہ تسمیہ بتاتی ہے۔ اکبری اقبال جیسا کہ اس تحریر سے معلوم ہوگا علامہ اقبال کے چند مزاحیہ قطعات پر مشتمل تھا جو اکبر الہ آبادی کے انداز میں کہے گئے تھے۔ یہ قطعات پہلی بار انجمن حمایت اسلام کے انتیسویں سالانہ اجلاس میں پڑھے گئے تھے جو ۱۹۰۴ء (غالباً اپریل) میں منعقد ہوا تھا۔ یہ تعارفی تحریر اس کتابچہ کے ناشر اور علامہ اقبال کے اکثر کتابچوں ''نالہ' یتیم،، ''فریاد امت،، وغیرہ کے کاتب و ناشر فضل الٰہی مرغوب رقم کے قلم سے ہے۔

''انجمن حمایت اسلام لاہور کے انتیسویں سالانہ جلسے میں جناب ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب ایم اے پی ایچ ڈی بیرسٹر ایٹ لا، لاہور نے لسان العصر سید اکبر حسین صاحب پینشنر جج الہ آبادی کے رنگ میں بصدارت نواب ذوالفقار علی خاں صاحب ذیل کی نظم پڑھی اور اس نظم کا عنوان مذاقاً ''رگڑا،، رکھا تھا۔

پریسیڈنٹ جلسہ نواب ذوالفقار علی خاں صاحب نے اپنی پر معنی ابتدائی تقریر میں ڈاکٹر صاحب موصوف کو شیکسپیئر اور سعدی سے تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا کہ ''اگر یہی اقبال ولایت میں ہوتا تو اس کی قدر و منزلت شیکسپیئر سے بھی بڑھی ہوتی مگر افسوس کہ ہمارے اہل ملک اس کی قابلیت نامہ سے کم آشنا ہیں اس کی دنیوی زندگی کے بعد معلوم ہوگا کہ اقبال کیا چیز تھا،،۔

ڈاکٹر صاحب اس دفعہ بوجہ مصروفیت کاروبار انجمن کے لئے کوئی نظم پیشتر تیار نہ کر سکے لیکن اراکین انجمن کے بار بار اصرار سے صرف دو تین دن پہلے جلدی میں اپنے چند خیالات کو منظوم کرنا شروع کیا۔ اسلئے آپ نے جلسے میں نظم پڑھنے سے پہلے تمہیداً فرمایا کہ ''یہ چند پکوڑے ہیں جو پبلک کی ضیافت طبع کے لئے پیش کرتا ہوں۔ بعض تازے اور بعض تو ان میں چوبیس گھنٹے کے تلے ہوئے ہیں مگر بعد ان پکوڑوں کے ایک تر لقمہ بھی ہوگا۔

اس اکبری رنگ کے کلام کو قوم کے اکثر افراد نے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا اور قبولیت کے کانوں سے سنا اور تحسین کی زبان کو حرکت دی۔
اس نظم کے اشعار سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ ڈاکٹر اقبال اکبری رنگ کی جھلک دکھانے پر بھی کسقدر قادر ہیں۔ آپ کے اس نئے رنگ پر حضرت خواجہ حسن نظامی نے تمہید تسطیر فرمائی اور خواجہ صاحب نے ہی اس نظم کا عنوان ''اکبری اقبال،، موزوں فرمایا۔

فضل الہی مرغوب رقم،،

۹—یہ تحریر بھی ''اکبری اقبال،، سے منقول ہے۔ کتابچہ میں اس کا عنوان اسطرح درج ہے۔

تمہید

از قلم

حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی

۷۸۶ هوالكل یاسعین

اس کے بعد وہی عبارت ہے جو متن کے ذیل میں آگے آرہی ہے۔

اس کتابچہ کے اکثر ظریفانہ اشعار ''بانگ درا،، کے مزاحیہ حصہ کلام میں شامل ہیں جو شامل نہ ہوسکے تھے وہ اب علامہ اقبال کے غیر تدون کلام پر مشتمل مجموعہ ''رخت سفر،، (مرتبہ انور حارث بی اے) میں درج ہوچکے ہیں ان کی تفصیل اور مطالعے کے لئے مکمل حوالہ درج کیا جاتا ہے۔ یہاں ہر قطعہ کا مصرعہ ثانی پیش ہے تاکہ تلاش میں سہولت رہے:

جنگل میں کہہ رہی تھی ہاتھی سے کل یہ ہتھنی	رخت سفر	۱۳۰
ہوتی نہیں ہے ہم کو جنگ و جدل سے سیری	,,	۱۳۱
وہ سمجھے گا اسے جستو کارواں ہے	,,	۱۳۱
ملا کا محتسب کا خدا کا نبی کا ڈر	,,	۱۳۹
عجیب نسخہ ہے یہ خود فراموشی کے لئے	,,	۱۳۹

اور مندرجہ ذیل قطعہ ''رخت سفر،، میں بھی شامل نہیں:

وفا داراں سہ قسم انداز بدانی زبانی اندونانی اندو جسانی
ربانی را ز منصب عزتی دہ زمینی برسر نہر نبانی

اگر باغی بخواند دیگران را ‏ ‏ بباید ز آستان او را برانی
و گر ذوق ملاقات تو دارد ‏ ‏ جوابش ده بلفظ نستوانی
وفاداران جانی را بدست آر ‏ ‏ اگر خواهی ز جانی جانستانی

''لاهور میں سیالکوٹ کے رہنے والے ایک آدمی رہتے ہیں جن کا نام محمد اقبال ہے۔ اور ڈاکٹر ہے اور بیرسٹر ہے اور پی ایچ ڈی ہے۔ وہ شعر گاتے ہیں اور شعر بجاتے ہیں اور موقع پاتے ہیں تو شعر پیدا بھی کر لیتے ہیں۔

میں نے ان کو آدمی اس ڈر سے کہا کہ جو لوگ آدمیت کی عینک لگائے ہوئے ہیں اور اقبال ان کو آدمی ہی نظر آتے ہیں کہیں وہ مجھ سے ثبوت نہ مانگ بیٹھیں ورنہ میں اقبال کو پیکر خاک نہیں سمجھتا اور ان کے پتلے کو آدم زاد نہیں مانتا۔ ممکن ہے کہ وہ بشر ہوں مگر ان کی بشریت فقط ان کی بیوی بچوں یا ان کے لئے مبارک ہو جو ان کو گورا چٹا مونچھوں والا عقلمند پروفیسر و بیرسٹر کہتے ہیں۔

میں نے پروفیسر اقبال کو بھی دیکھا ہے اور ڈاکٹر اقبال کو بھی۔ سیالکوٹی اقبال کو بھی اور لاہوری اقبال کو بھی، یورپین اقبال کو بھی دیکھا ہے اور لندنی اقبال کو بھی مگر کبھی آدمی نہیں پایا وہ ازل سے حیوان ہیں اور حیات ابدی کے نشان ہیں۔ ہندوستان کے آدمی حیوان کے لفظ کو مکروہ جانتے ہیں مگر میں اس لفظ میں وہ جان پاتا ہوں جو ہند کے کسی انسان میں نہیں۔

برسات میں مکھیاں اور پروانے دونوں پیدا ہوتے ہیں اور دونوں جاندار کہلاتے ہیں مگر ایک آدمی کو ستاتا ہے اور مگس بے حیا کا نام پاتا ہے اور دوسرا شمع کے رخ پر قربان ہو جاتا ہے اور غیرت ڈھونڈنے والوں کو صبح کے وقت اپنی لاش دکھا کر رلاتا ہے۔

اقبال بھی ایک پروانہ ہے جو ان دیکھی شمع کا پروانہ ہے مکھیاں اس کے اشعار کو مٹھاس سمجھ کر چاٹتی ہیں اور پروانے شعلہ سمجھ کر قربان ہونے آتے ہیں۔

اقبال ہمیشہ آسمان پر اڑتے ہیں زمین پر کبھی آنا ہوتا ہے تو اس زمین میں جو آسمان سے زیادہ دور ہوتی ہے اس لئے وہ لوگ جن کے پاس ہوائی جہاز نہیں ہیں یہ کہتے رہ جاتے ہیں کہ اقبال کہاں ہیں؟ ہم ان تک کیونکر پہنچیں؟

ایک دن بھری سبھا کے اندر اقبال زمین پر آئے اور چند جملے ان کی زبان میں سنائے جو زمانے کی زبان کہلاتے ہیں جن کا نام اکبر ہے جو الہ آباد میں بیٹھ کر اللہ کی آبادیاں بساتے ہیں اکبر کے ہم زبان ہوکر بولنا آسان بات نہیں اکثر اشارات ربانی کے حامل ہیں اکبر کو گویا کرنے والا پہلے آنکھ سے دکھاتا ہے پھر قلم سے لکھواتا ہے اکبر کی ہر بات زمین آسمان کو ایک کردیتی ہے ہر قول وہ وجود لے کر آتا ہے جس کو انگریزی میں کریکٹر کہتے ہیں۔ اکبر نے اس دھوپ میں بال سفید کئے ہیں جس نے اسلامی سلطنت کا باغ حساب کردیا ۔ اقبال نے اکبری زبان میں جو کچھ کہا وہ اکبری اقبال ہے خلقت اس کو دیکھتی ہے کہ اقبال نے کس حد تک اکبری روش کو نباہا ہے اور اکبر کیطرح کیونکر تنگ قافیوں کو کشادہ کیا ہے مگر دیکھنا یہ تھا کہ زمانہ اکبر کی زبان میں بولتے بولتے اب اقبال کی زبان میں بھی آیا ہے خدا خیر کرے دیکھئے ان حروف کے پردہ سے کیا نکلنے والا ہے۔ ہندو استھان کی بیقراری میں کام کی باتیں درکار ہیں جن میں نتائج ہوں اور چننے کے لئے راستہ ہو۔ عبرت کے لئے دل خوش کن آگاہی و تنبیہہ ہو۔ اکبر و اقبال کا ابتدا سے یہی شیوہ رہا ہے مگر اقبال نے اور طریق سے کہا اور اکبر نے اور پیرایہ سے۔ اس نظم میں جو منشی مرغوب رقم صاحب کے ذریعہ شائع ہوئی ہے اقبال نے اکبری نقش قدم پر پاؤں اٹھایا ہے اور حق یہ ہے کہ مضبوطی سے ہر نشان پر پاؤں جمایا ہے۔ مجھ سے کہتے ہیں کہ میں اس نظم پر وہ لکھوں جس کو لوگ ریویو کہتے ہیں مگر میں پوچھتا ہوں کہ بہتے ہوئے دریا کی روانی کو اس کی کیا ضرورت ہے کہ دوسرا اس کے تیز بہاؤ کی حقیقت پر لکچر دے۔ موجیں مارنے والا سمندر جب خود نظر آتا ہے تو کسی کا یہ کہنا کہ کشتیاں چکرائیں گی سواروں کو چکر آئیں گے بادل اٹھیں گے اور زمین پر مینھ برسائیں گے۔ فضول ہے جاننے والے خود جانتے ہیں کہ یہ طوفان کس موسم کی خبر دیا کرتا ہے اسواسطے میں اس نظم کے متعلق کچھ کہنا نہیں چاہتا اور نہ کہنا ہی اس کی اعلیٰ شان کی دلیل ہے۔

حسن نظامی

۱۔ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور کا یہ خط عباس علی خان لمعہ حیدرآبادی کے نام لکھا گیا تھا۔ ایک عظیم شاعر کا ایک عظیم شاعر کے بارے میں یہ

مکتوب بے انتہا اہم ہے اور چونکہ تنگ نظری سے ہٹ کر وسعت قلب کے ساتھ لکھا گیا ہے اس لئے ہر اقبال دوست کو عزیز رکھنا چاہئے۔ اصل خط انگریزی میں تھا اس کا ترجمہ پہلی بار نیرنگ خیال سالنامہ ۳۶ء میں شائع ہوا تھا :

''وشوا بھارتی ۔ شانتی نکیتن ۔ بنگال

۷ فروری ۳۳ء

محبی مسٹر خان

آپ کے خط اور نظم نے میرے دل پر خاص اثر کیا۔ مجھے یہ سنکر بڑی مسرت ہوئی کہ آپ میری اور اپنے شاعر اعظم سر محمد اقبال کی نظموں کے درمیان ایک خاص اندرونی تعلق پاتے ہیں چونکہ میں اس زبان سے نابلد ہوں جس میں وہ اپنا کلام فرماتے ہیں اسلئے میرے لئے یہ ناممکن ہے کہ میں ان کی اپج کی گہرائی یا ان کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ لگا سکوں لیکن ان کی عالمگیر شہرت سے مجھے یقین ہوتا ہے کہ ان میں جاودانی علم و ادب کی عظمت ہے۔

بارہا اس چیز نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے کہ نقادوں کی ایک جماعت میری اور سر محمد اقبال کی ادبی کوششوں کو ایک دوسرے کے مقابل رکھ کر غلط فہمیاں پھیلانے کی کوشش کرتی ہے یہ رویہ اس ادب کے متعلق بالکل غلط ہے جو انسانی دل و دماغ کے عالمگیر پہلو سے بحث کرتا ہے اور اس طرح تمام ملکوں اور زبانوں کے شعر اور اہل فن کو ایک برادری میں منسلک کرنے کا سامان پیدا کرتا ہے۔

مجھے یقین ہے کہ سر محمد اقبال اور میں ادب میں صداقت اور حسن کی خاطر کام کرنے والے دو دوست ہیں اور اس جگہ یک جا ہو جاتے ہیں جہاں انسانی دماغ اپنا بہترین ہدیہ ''جاودانی انسان،، کے حضور میں پیش کرتا ہے۔

خیر اندیش

رابندر ناتھ ٹیگور

۱۱—عبدالباری آسی کی تصنیف مزاح نگار شعرا کے حالات پر مشتمل کتاب ''تذکرہ خندہ گل،، کے صفحات ۴۷—۴۸ پر یہ عبارت درج ہے جس کی اہمیت بس اتنی ہی ہے کہ یہ علامہ اقبال سے متعلق ہے :—

''اقبال ــ ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب پی ایچ ڈی ۔ بیرسٹر ایٹ لا ۔ لاہور کا تخلص ہے۔ آپ کے حالات غایت شہرت کی وجہ سے محتاج تعارف تعریف نہیں ۔ آپ کی شاعرانہ قوت مشق، فکر صائب تخئیل جوش وغیرہ کا ملک کا ایک ایک بچہ قائل ہے اور در اصل اردو فارسی نظموں میں آپ کو ید طولی حاصل ہے ۔ چونکہ آپ نے اکبر مرحوم کے رنگ ظرافت میں بھی کچھ فرمایا ہے اس لئے بانگ درا سے جو آپ کی نظموں غزلوں وغیرہ کا مجموعہ ہے چند اشعار کا انتخاب کرکے شامل تذکرہ کرتا ہوں ۔ اگرچہ آپ کی اصل شاعری کے مقابلے میں اس قسم کے اشعار کم سے کم درجہ بھی نہیں پاسکتے مگر صرف آپ کے نام نامی کے لحاظ سے درج کرتا ہوں ۔ حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی شاعری کے لئے ہرگز آپ کا دماغ موزوں نہیں ہے ۔ کاش جو کچھ فرمایا ہے یہ نہ فرمایا ہوتا ۔ انتخاب ملاحظہ فرمائیے :

مشرق میں اصول دین بن جاتے ہیں.....الخ
رہتا نہیں ایک بھی ہمارے پلے.....الخ
شیخ صاحب بھی تو پردے کے کوئی حامی نہیں.....الخ
وعظ میں فرمادیا کل آپ نے یہ صاف صاف.....الخ
بستے ہیں ہند میں جو خریدار ہی فقط.....الخ
تھے وہ بھی دن کہ خدمت اسناد کے عوض.....الخ
بدلا زمانہ ایسا کہ لڑکا پس از سبق.....الخ
اتنی غفلت کی یہی حالت اگر قائم رہی.....الخ
ہم مشرق کے مسکینوں کا دل مغرب میں جاا ٹکا ہے.....الخ
ممبری امپیریل کونسل کی کچھ مشکل نہیں.....الخ
میرزا غالب خدا بخشے بجا فرما گئے.....الخ
اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں.....الخ
میاں نجار بھی چھیلے گئے ساتھ.....الخ
سنا ہے میں نے کل یہ گفتگو تھی کارخانے میں.....الخ
مگر سرکار نے کیا خوب کونسل ہال بنوایا.....الخ

۱۲ــعلامہ اقبال کی رحلت کے موقع پر مولانا ابوالکلام آزاد نے یہ بیان اخبارات کے نام جاری کیا تھا دونوں بزرگوں کی نسبت سے یہ تحریر لائق اندراج تھی :

''یہ خیال کرتے ہوئے کس قدر صدمہ ہوتا ہے کہ علامہ اقبال اس جہاں سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہوگئے۔ ہندوستان آپ سے بڑا اردو شاعر پیدا نہیں کرسکا۔ آپ کی وفات سے نہ صرف ہندوستان بلکہ مشرق کو نقصان عظیم پہنچا ہے۔ مجھے ذاتی طور پر اس لئے زیادہ صدمہ ہے کہ مرحوم سے میرے دوستانہ تعلقات تھے۔
ابوالکلام آزاد

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006